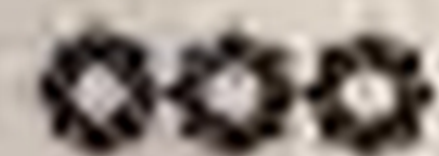


کبھی خود پہ کبھی حالات پہ رونا آیا
بات لگی تو ہر اک بات پہ رونا آیا
ہم تو سمجھے تھے کہ ہم بھول گئے ہیں ان کو
کیا ہوا آج یہ کس بات پہ رونا آیا

”ای اوہ کون سی دنیا ہے جہاں کوئی چلا جاتا ہے تو
واپس ہی نہیں آ سکتا۔“ نوسالہ فیضان کی باتوں نے مجھے
پتہ لگا دیا۔
”کیوں بیٹا تمہیں کس نے کہا؟“
”کسی بھی گاڑی پر واپس نہیں آ سکتے کیا؟“ وہ اپنی
دھن میں تھا۔
”فیضان۔“ میں نے اسے گھورا۔
”کبھی کبھی زیادہ دین بچے بھی وہاں لگتے ہیں۔“
سیدھے سوال کرتے ہیں۔
”تمہیں کس نے کہا؟“
”اب آپ کو کوئی انعام نہیں ملے گا۔ آپ نے
میرے کسی سوال کا جواب درست نہیں دیا۔“ اس نے منہ
بھلا لیا۔ میں مسکرا دی۔ گویا میرے ساتھ ٹیلا مگر کھیل
رہا تھا۔
”اچھا پہلے بتاؤ انعام میں کیا ملے گا۔“ میں نے
مسکراتے سامنے کیا۔ اس نے میری مسکراہٹ کو شاکی
نظروں سے دیکھا۔
”برونا! میں نے مسکراہٹ ضبط کی۔“
”ڈیڑی۔“
میری مسکراہٹ الٹا چھو ہو گئی۔ ہاتھ گود میں آن
گئے۔
”بتائیے تائیں گی انعام تو۔“
”تمہیں کس نے کہا یہ؟“ میں نے دل کی ہوک
دبا کر سنجیدگی سے کہا۔
”انعام تو میں خود دوں گا۔“
”کہاں سے؟“
”جب آپ مجھے۔“ کہتے کہتے اس نے منہ پر
ہاتھ رکھ لیا اور آگے میں سب سمجھ گئی۔
”جاد فیضان میں آ رہی ہوں۔“
”میرا سوال؟“
”جاد یہاں سے۔“ میں نے ڈپٹ کر کہا اور وہ باہر
بھاگ گیا۔ میں نے سر ہاتھوں میں تھام لیا۔
جس بات کو میں ذہانت سے تعبیر کر رہی تھی وہ تو
سکھا کر بھیجا ہوا رد عمل تھا۔
”دادی دادی۔۔۔۔۔ ای۔۔۔۔۔ مجھے صبح ہوا گڑیا۔“
”آپ لوگ فیض کا راستہ بدل کر اچھا نہیں

کر رہے۔" شاکی سے انداز میں ان کو مخاطب کیا اور وہاں سے اٹھ گئی۔



"کیا بات ہے سید بہت چپ چپ سی ہو؟"
"نہیں تو۔" اس نے فائل بند کر کے سرسری سے انداز میں کہا۔

"نہیں کوئی بات تو ہے۔ درنہ تم تو ہم وقت مصروف عمل نظر آتی ہو۔ یوں چپ سی بیٹھی ہو پڑی ہو گی۔"

"نہیں۔" وہ میرے سے اس نے ہنسی سے کہہ دیا اس کی باتیں غیر مرئی سے لفظ پر مرکب تھیں۔
"میں اپنی اس زندگی سے مطمئن ہوں۔ سمجھ کر لیا ہے آگے کی زندگی کی پلاننگ بھی کر لی ہے۔ فیضان بھی خوش مطمئن ہے اور اس کی پروگریس رپورٹ بھی اچھی ہے۔"

"پھر؟"
"پھر کہ گھر والے اس کا راستہ بدل رہے ہیں۔"

"کیا؟ کیسے؟" ثناء نے اچنبھے سے دیکھا۔
"اس کے خیالات تبدیل کر رہے ہیں۔"

"مگر کیوں؟ تمہارے گھر والے میرے خیال میں بہت اچھے اور پختہ تھے۔ لوگ ہیں کیا کہتے ہیں۔"

"نکل بچہ سے کہہ رہا تھا جو لوگ چلے جاتے ہیں وہ واپس بھی تو آتے ہیں پھر میرے ایڈی کیوں نہیں آتے۔" اس کے چہرے پر غمیدگی اور عین غم لگی تھی۔

"اوہ تو یہ بات ہے۔"

"ہاں اور یہ بات معمولی نہیں ہے۔"

"ہاں سید۔ یہ وقت کی ضرورت ہے اور تمہارے لیے اہمیت۔ کوئی ساری عمر ساتھ رہ سکتا ہے اور نہ کوئی ساری عمر تنہا زندگی گزار سکتا ہے۔ ایک ساتھ ایک ماہر کی ضرورت رہتی ہے اور فیضان نو سال کا ہو گیا ہے آج تک اس نے کوئی ایسی حرکت نہیں کی مگر کل۔"

"یہ سب سراسر ان سب لوگوں نے سکھایا ہوگا۔ وہ جانتے ہیں کہ جوں جوں وقت گزرتا جا رہا ہے بچہ ہاشم اور سمجھ دار ہوتا ہے۔ وہ گھر سے باہر نکلتا ہے اور دوسرے بچوں میں گھل مٹتا ہے اس نے بھی اپنے باپ کے متعلق سوچا ہوگا اور گھر والوں سے پوچھا ہوگا۔ کتا بہرے تم تو بولی پر بولی ہو۔ انہیں کسی طرح سے مطمئن تو کرنا ہی تھا۔"

"مگر ثناء یہ میرے لیے ممکن نہیں ہے۔ ابھی میں نے گھر والوں سے بات نہیں کی۔"

"عقل سے سوچو تو ابھی وقت گزر رہا نہیں ہے۔"

"کیا کیا۔۔۔ پاگل ہو رہی ہو۔ کیا بیس سال کی ااکڑ سید جو اپنی دوسری شادی کرے جس کا ساڑھے نو سال کا بیٹا ہے۔ ناممکن ثناء لوگ کیا سوچیں گے۔ آگے ایسی بات مت کرنا۔" وہ کھڑی ہو گئی۔

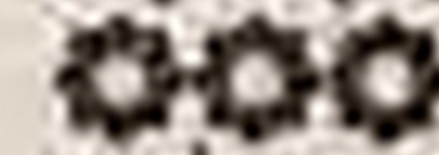
"ریٹکس ریٹکس! بیٹھ جاؤ اور ایک بات دھیان سے سن لو۔ عورتوں کی عمر چہروں سے پتہ نہیں چلتی۔ اور تم اتنی ہارک دہلی پکی ہو کتنی نہیں ہو کا ایک بیٹے کی ماں ہو۔ اور لوگوں کو سوچنے دو۔۔۔ عقل مند لوگوں کا کام ہی سوچنا ہے۔ تیسری بات یہ کہ جن کے سوال برس کے بیٹے ہوں اور بھی تو عمل کر لیتے ہیں سوچنا تو دور کی بات ہے۔" سید نے چونک کر ثناء کو دیکھا اور اس کے انداز پر مسکرائی۔

"ڈاکٹر مٹھن غوری کی بات کر رہی تھی جنہوں نے بی بی کے مرنے کے چار سال بعد پچھلے سال دوسری شادی کی تھی۔"

"مرد کا کچھ نہیں گزرتا۔۔۔ تصور وار تو عورت گردانی جاتی ہے۔" وہ کھڑی ہو گئی۔ "اور میں ایسا کوئی امراہ نہیں رہتی جس سے کل مجھے شرمندہ ہونا پڑے۔" بیک ٹائمر پر لٹکا ہوا لفظ تھا اسے دیکھا اور دم سے باہر نکل گئی۔

نے سر ہاتھوں میں تھام لیا۔ یہ وہ اگر خوب صورت اور

لوگوں کو خود بخود ہی سوچنا پڑتا ہے سید۔



"اما آکس کریم کھانے ملیں نا۔"

"لاؤج میں بیٹھی وہ ایک ڈاکٹر کی دیکھ رہی تھی جیسی اکر فیضان نے اس کا شانہ بلایا۔"

"بیٹا ماموں کے ساتھ چلے جاؤ۔"

"نہیں آپ ملیں۔ سارا دن تو آپ مصروف ہوتی ہیں اور اب میں ماموں کے ساتھ چلا جاؤں۔"

فیضان منہ مسوتا اس کے پیلوٹس پہنہ گیا۔ سید نے مسکرا کر اسے ساتھ لگا لیا۔

"رات کے دس بج رہے ہیں۔ گاڑی پارک کر دی تے اور پیدل کار راستہ اتنی دور ہے جاؤ ماموں کی بائیک پر چلے جاؤ۔ میرے لیے بھی لانا۔" پیار سے چکا رہا۔

"نہیں۔ نہیں۔" زور سے سر ہلایا۔ "ساری دنیا کے بچے اپنے پرنس کے ساتھ جاتے ہیں۔ اور میں میرے پاپا نہیں تو آپ بھی کہیں لے کر نہیں جاتیں۔"

ہوا سگی سے کہتا فیضان اس سے ہٹ کر بیٹھ گیا۔ سید نے قہر سے اسے دیکھا۔

وہ آج کل فیضان میں واضح تبدیلی دیکھ رہی تھی۔ جیسی اپنی اندر آ گیا۔

"کیوں بھی ماسٹر کیا ہو رہا ہے؟" وہ مومنے پر گرہ۔

"ماموں! امی بہت خراب ہیں۔ مجھے آکس کریم کھانے نہیں لے جا رہی ہیں۔" ثناء غصے سے اسے دیکھا اور

لوگوں کو خود بخود ہی سوچنا پڑتا ہے سید۔

"اما آکس کریم کھانے ملیں نا۔"

"لاؤج میں بیٹھی وہ ایک ڈاکٹر کی دیکھ رہی تھی جیسی اکر فیضان نے اس کا شانہ بلایا۔"

"بیٹا ماموں کے ساتھ چلے جاؤ۔"

"نہیں آپ ملیں۔ سارا دن تو آپ مصروف ہوتی ہیں اور اب میں ماموں کے ساتھ چلا جاؤں۔"

فیضان منہ مسوتا اس کے پیلوٹس پہنہ گیا۔ سید نے مسکرا کر اسے ساتھ لگا لیا۔

"رات کے دس بج رہے ہیں۔ گاڑی پارک کر دی تے اور پیدل کار راستہ اتنی دور ہے جاؤ ماموں کی بائیک پر چلے جاؤ۔ میرے لیے بھی لانا۔" پیار سے چکا رہا۔

"نہیں۔ نہیں۔" زور سے سر ہلایا۔ "ساری دنیا کے بچے اپنے پرنس کے ساتھ جاتے ہیں۔ اور میں میرے پاپا نہیں تو آپ بھی کہیں لے کر نہیں جاتیں۔"

ہوا سگی سے کہتا فیضان اس سے ہٹ کر بیٹھ گیا۔ سید نے قہر سے اسے دیکھا۔

وہ آج کل فیضان میں واضح تبدیلی دیکھ رہی تھی۔ جیسی اپنی اندر آ گیا۔

"کیوں بھی ماسٹر کیا ہو رہا ہے؟" وہ مومنے پر گرہ۔

"ماموں! امی بہت خراب ہیں۔ مجھے آکس کریم کھانے نہیں لے جا رہی ہیں۔" ثناء غصے سے اسے دیکھا اور

بچہ تھا ہرجت کہا اور موسیٰ۔" اے۔ اے۔" کرنا رو گیا۔

"موسیٰ۔" سید نے مال سے اسے دیکھا۔

یاس کا سکھایا ہوا سبق تھا۔

"میں چلتا ہوں۔" سید کی ہنوز گھبراتی نظروں سے گھبرا کر بھاگا۔

"ماموں۔" فیضان پیچھے بھاگا۔

"وہا چھ سوری سوری" کی گردان کر ہاتھ اور رنجوری دو بیٹھی رو گئی۔

"تم لوگ۔۔۔ لوگ۔۔۔" اسے دیکھ بول نہ بولنے کی پوزیشن میں آگئی سوچنے کی۔

آج اس کا آف ڈے تھا۔ گھر پر ہی تھی۔ وہ ابو کے ساتھ ناشتہ کرتے ہوئے اخبار دیکھ رہی تھی۔ نزہت آرا کا ہے بگل ہے باپ سے باتیں کرتی ساتھ ساتھ اخبار دیکھتیں۔ کبھی چائے کا گرم گرم کپ ہونوں سے لگا لیتیں کتنی فریش اور ٹنگٹن لگ رہی تھیں۔

ان کے دل سے ہوک آگئی اس عمر میں لڑکیاں بیانی جاتی ہیں۔ ان کی بیٹی کو کیسا روگ لگ گیا۔ ہائے جو ہوا ہے تم نے کیا کیا۔ کیوں چلے گئے۔۔۔ نزل لگی ہے میری بیٹی کاش میں نے تم سے شادی نہ کی ہوتی۔

"ابو! میری گاڑی ورک شاپ بھجوا دیجئے گا۔ ذرا تک کر رہی ہے۔"

"بھئی میں تو آج کل مصروف ہوں۔ سوئی یا سیل سے کہہ دیتا۔" انہوں نے اخبار پڑھ کر دیکھا۔

"سیل کا دن تو آج کرکٹ کی نذر ہوگا۔ اور موسیٰ سے میں ناراض ہوں۔"

"جراثیم۔ وہ کیوں بھلا۔۔۔ تم جانتی ہو ناراض ہونا کتنی بری بات ہے؟"

"وہ فیضان کو اپنی سیدھی باتیں سکھا رہا ہے۔ آپ جانتے ہیں کہ فیضان۔"

"سید بیٹا کوئی بات اپنی یا سیدھی نہیں ہوتی۔ ہر بات کا رد عمل ہوتا ہے۔ اور اگر غور سے دیکھا جائے تو کوئی غلط بات بھی نہیں ہوتی۔"

ایسا دوتے تو ان کے ساتھ جاتا۔" فیضان ایک ذہین

انچال + May + 2004 101

"ابو! اس نے تیرا منہ مارا اسکی سے دیکھا۔
مگر وہ اٹھ کر جا چکے تھے۔ یہ اندازہ..... یہ بدل.....
کیوں؟

"ابو! زانچور سے کہہ دیجئے گا۔" پیچھے سے آواز دی۔
"ڈرائیور چھٹی پر ہے۔" لان سے آواز ابھری تھی۔
دوسرے جھکا کر اخبار پڑھنے لگے۔

"ای! دادی کہاں ہیں؟"
"کپڑے میں ہوں گی۔"
"کیوں اس وقت تو انہیں لان میں ہونا چاہئے تھا۔

صبح کی تازہ دھوپ اور ہوا میں انہیں نے کر جانی
ہوں۔ آپ بھی آجاسے۔" وہ کہتی ہوئی باہر نکل گئی۔
دوبارہ لکڑی میں خود کو الجھایا تھا اس نے۔ انہوں نے
جالی ہوئی سیڑ کو دیکھا۔ خود اس کی اپنی ذات کی فکر ذات کا

شجر تو سایہ داری اچھا لگتا ہی تھا مگر سبز و شاداب۔
"اور یہ۔" انہوں نے گہرا سانس لیا۔ "جوان بیوی
کے دکھ کی چادر اوڑھ کر مطمئن تھی۔ اور فیضی باپ کی

شفقت سے محروم تھی۔ میری سیڑ شروع سے ہی بد نظری
کا شکار رہی ہے۔ بری بھری زندگی کو گہن لگ گیا۔" ان کی
سوچوں میں دکھوں کی پرچھائیاں تھیں۔

آج اس کی شادی ہے چنانچہ جلدی آجانا۔
ناشتہ کرتے ہوئے لکڑی کے لیے اس کے ہاتھ ٹھکے۔
"آج تو جاؤں گی ای! مگر آج آپ پریشان ہوں گے۔"

"یہ کوئی معقول بہانہ تو نہیں ہے۔" موسیٰ نے ہوا
اندا مچھلتے ہوئے سرسری سے انداز میں کہا۔
"میں بہانہ نہیں کر رہی۔" اس کے انداز میں نکل

تھی۔ ویسے بھی وہ آج کل موسیٰ سے بدراض تھی۔ فیضان
کو اپنی سیڑ میں پڑھانے دھاتا تو وہی تھا۔
"تو آج پھنسی کر لو۔"

"تم جانتے ہو ڈاکٹر کی زندگی اس کی اپنی نہیں ہوتی۔
ہمیں دوسروں کی زندگی سے پیار ہوتا ہے۔ انہیں بچانا
چاہئے ہیں ہمارا لکڑی دوسروں کے لیے ہوتا ہے۔" اس

نے چیخ کر جواب دیا۔
"آ..... ہاں۔" موسیٰ نے برا سا منہ بنایا اور ہاتھ
بڑھا کر ٹھک والی اٹھ لی۔

سیڑ نے سر جھٹک لیا۔
"ہم بھی تو ان دوسروں میں ہیں ان دوسروں کا خیال
نہیں رکھنا کیا۔ آخر لوگوں سے کیا تعلقات بنے ہیں۔"

موسیٰ نے قلم جھاڑا۔
"موسیٰ۔" اس نے لب بھینچ کر گھورا۔ وہ مسکرا رہا تھا۔
"میرے خیال میں سیڑ تم آج چھٹی کر لو۔"

ار یہ تہبازی پھونکی زانچور تہبازی کرن ہے۔ دوست ہے
تہبازی۔" ای! نے رمان سے کہا۔
"ای! پلیز! اس کا انداز کتنی تھا۔"

"ای! پلیز! مجھے مجبور نہ کریں۔ میں بہت مجبور ہوں!
آپ تو جانتی ہیں نا کہ۔" موسیٰ نے شرارتی سے انداز
میں اس کی نعل اتاری۔ سیڑ کو کھنکھایا گیا۔

"تو اور کیا کہیں مسٹر موسیٰ بگڑا کی صاحب! مجھے اپنی
بیوی کا ذکر نہ اپنے کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔ یہ کام
میرے جانتے ہی ہو جاتا ہے مجھے تو تم آ میزنگ ہیں اور لہجہ

فعلی پسند نہیں ہے۔ جو اٹھنے کی امانت تھی لے لیا اور اب
کب تک میں تم والہ کی تصویر بنوں۔" اس کا لہجہ پست
گیا۔ "لوگ مجھے جانتے ضرور ہیں اور پردہ کہتے ہیں نہ

آئے تو اچھا ہے۔ ابھا گن! سنو سنو! ہم پر غصہ نہ
پڑ جائے۔ لوگوں کی سوچ لوگوں کا نظریہ! ابھی تک نہیں
بدلا۔ اور نہ ہی میں بدلنے پر قادر ہوں۔" کچھ تھیں۔ "سیڑ

نے جلتے گھٹنے لہجے میں بات مکمل کی اور باہر نکل گئی۔
نزدہت آ رہے جاتے دھنکی رہیں۔
"موسیٰ! وہ بہت دکھی ہے اسے مت پھیلا کر۔"

انہوں نے دکھی لہجے میں کہا۔
"ای! اسے سمجھائیں وہ تہبازی نہیں کر سکتی۔ ہم
آپ کب تک اس کا ساتھ دے سکتے ہیں۔" موسیٰ کی
آنکھوں میں بہن کا دکھ دکھانے لے رہا تھا۔ "میں صرف

بائیدار اسے اپنے بارے میں سوچنا چاہئے جب کہ بیوی
مگر وہ نہیں ہے۔ جتنی جلدی ممکن ہو بیوہ کا نکاح کر دینا
چاہئے۔"

"ہم جانتے ہیں۔" انہوں نے گہرا سانس لیا۔
"اسے سب نے سمجھا یا ہے مگر وہ کچھ سننے پر تیار نہیں۔"
"وہ سننے کی اور ضرورت سننے کی۔" موسیٰ کے لہجے میں

بد نظری تھی۔ اس نے کپ ہونوں سے لگا لیا۔
"اما۔"
"ہوں۔"

"اچھا کچھ نہیں۔" اس نے آنکھیں موند لیں۔ وہ جو
دیر سے دھیرے اس کے بالوں میں ہاتھ پھیر رہی تھیں
چومک کر فیضان کو دیکھنے لگی جو کچھ کہتے کہتے رک گیا تھا۔

"پوانو کیا کہہ رہے تھے؟"
"کچھ نہیں۔" اس نے رخ موڑ لیا۔
"پھر اما ہاراض ہو جائیں گی۔" اس کا رخ اپنی

ہال کیا۔ "بولو۔"
"پہلے پراس کریں کہ مرض نہیں ہوں گی۔"
"اور تم بھی پراس کرو کہ ناراضگی والی بات نہیں

کر گے۔" بالوں میں ہاتھ پھیرا۔
"ناراضگی والی بات تو نہیں اما مگر یہ حق ہے آپ کا
می اور میرا بھی۔" سیڑ چونکی اور اس کی ساری حسیات

ارٹ نہ کریں۔ گے کی ساری کہانی سمجھ میں آ گئی۔
"موسیٰ..... موسیٰ۔" تہبازی خیر نہیں۔ اس نے منھیں
مٹائی لیں۔ مگر اسے حق سبر و گل کا مظاہرہ کرنا تھا۔

"میں آپ سے پیار کی باتیں تو کر سکتا ہوں نا۔" اس
نے حیرت سے اس کی جانب نگاہ اٹھائی۔ وہ دم سادھے
اسے دیکھ رہی تھی۔

"کسی کے بارے میں باتیں کرنے میں تو کوئی برائی
نہیں نا۔" فیضان نے ہاتھ جلا لیا۔
"نہیں۔" اس نے دھیرے سے اس کا رخسار چوم

کس ہاتھان میں ڈال دیا ہے جو۔ میں تہباز سے بیٹے کو
کچھ مطمئن کروں گی۔ سانسے دیوار پر لگی اس کی تہہ آور
تصویر کو دیکھا۔ مسکراتی سیاہ آنکھیں! کتنی سیاہ موٹھیں!

تراشیدہ لب۔ خود پرانگی اس کی سا آٹھیں اسے ہزل
کر دیا کرتی تھیں۔
"مجھے آپ پیار کے بارے میں بتایا کریں وہ کیسے

ہوتے تھے بچوں سے کیسے پیار کرتے تھے اور مجھے کس
طرح چاہتے تھے؟" فیضی بول رہا تھا اور اس کا ہنس نہیں
ہل رہا تھا کہ موسیٰ کی گردن سر ڈوے۔

"وہ تمہیں ایسے پیار کرتے تھے۔" جھک کر اس کے
پھول سے رخسار کو چوم لیا۔ "بچوں کو بہت عزیز رکھتے تھے
اور تم تو ان کی جان تھی۔" اس کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے

لیا۔
"اپنی جان کو کوئی کیسے چھوڑ کر چلا جاتا ہے۔" فیضی
خجیدہ تھا۔ سیڑ کا دل بھرا آیا۔ نسو برس پڑے اختیار ختم
ہو گیا۔ بے اختیار فیضی کے بالوں میں منہ چھپایا اور

آنسوؤں کو بہ جانے دیا۔
"جو ملے جاتے ہیں وہ وہیں کیوں نہیں آتے؟" وہ
جھکے سے آنکھ میٹھی۔ فیضان بھی گھبرا کر اٹھ گیا۔

"کیا ہولنا؟"
"تم بہت چھوٹے ہو بہت چھوٹے میری جان اتنی
بڑی بڑی باتیں مت کیا کرو۔" اسے سینے سے لگا لیا۔

"بہت ساری باتیں ہمارے اختیار میں نہیں ہوتیں
چاند اور غم ابدل کو دل نہیں چاہتا۔ کسی کا پر تو ملنا نہیں غم
ابدل میں۔"

فیضی کی چھوٹی سی عقل میں اتنا بڑا لفظ سما ہی نہ سکا۔
"بس ایک بات سمجھ لو جانو! " شدت ضبط سے چہرہ
سرخ اور ہاتھ۔ "جو مر جاتے ہیں وہ وہیں نہیں آتے۔

خدا کے پاس جا کر کوئی واپس آ ہی نہیں سکتا۔ کوئی راست
نہیں ہے ہمیں ان لوگوں کے بغیر رہنے کی عادت ڈال
لینی چاہئے جیگا۔" دھیرے سے اسے ساتھ لگا لیا۔
اس کا ننھا منہ سا بھن غم ابدل میں اٹکا رہا تھا۔

"اسیہ آپ سو جائیں صبح اسکول جاتا ہے۔" اسے بستر پر لٹا کر گھسیٹا دیا۔

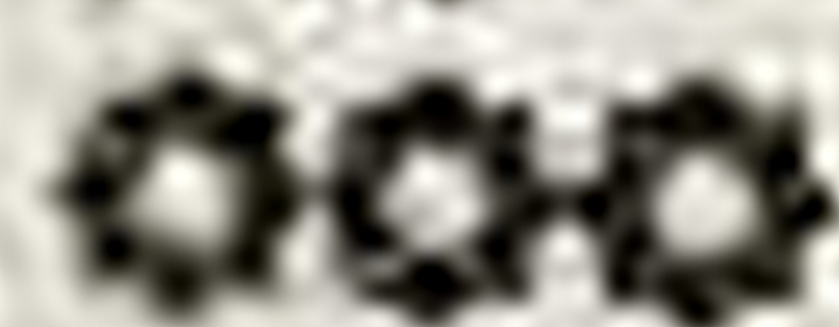
"اما آپ دور ہی ہیں؟" اسے دیکھ گئی۔ "آپ کو میری باتوں سے..."

"نہیں میری جان؟" اس کا ہاتھ چوم لیا۔ "مجھے رونا اس بات پر آ رہا ہے میرا بیٹا مجھ سے کیا مانگ رہا ہے اور میں اسے دے ہی نہیں سکتی۔" دھیرے دھیرے اس کے بالوں میں ہاتھ پھیرا۔

"آپ ماما کو گھسیٹا کر دے تاکہ اب تو میں بھی بڑے پاپا۔ پھر آپ کے چاچو ہیں انہیں لپکا کر دے۔ اس نے اپنا چہرہ صاف کیا اور گھبراہٹ سے دیکھا وہ سنجیدہ تھا۔

"نیشہ آ رہی ہے۔" اس نے پلکیں موند لیں۔ "کاش میری جان میں تمہاری خواہش پوری کر سکتی۔۔۔ تمہارے پیار اتنی دور جا چکے ہیں کہ۔۔۔" آنکھوں کے گوشوں سے آنسو نکل کر ہاتھوں میں جذب ہونے لگے۔

"جواز میں ہر مقام پر ثابت قدم ہوں۔۔۔ تمہارے بعد مجھے کسی اور کے قرب کی تمنا ہے نہ خواہش سب حالات کا حیداری سے مقابلہ کر رہی ہوں۔ مگر تمہارا بیٹا۔۔۔ میں اسے کیسے مطمئن کروں۔۔۔ کیسے کروں؟"



"سوسی؟" سیدہ دھیرے سے اس کے کمرے میں داخل ہوئی وہ جوانہاک سے کمپیوٹر پر منہمک تھا چونک گیا۔

"سیدہ تم کیا ہوا؟" سر گھما کر اسے دیکھا۔ "مجھے تم سے کچھ کہنا ہے۔"

وہ چونکا لمحہ بھر میں اس کا جائزہ لیا اور چہرے سے ساری کہانی پڑھ لی اور وہ فی الحال اس موضوع پر اس سے بات نہیں کر سکتا تھا۔

"کہو کچھ پیسے چاہئیں؟" "نہیں۔"

"پھر؟" مصروف سا انداز تھا۔

"تم فاسٹ ہو کر میری جانب متوجہ ہو۔"

"میں بہت اہم موضوع پر کام کر رہا ہوں۔۔۔"

سوسی۔ "اس نے ہری جھنڈی دکھادی۔

"میں فیضی کے متعلق بات کرنا چاہتی ہوں۔"

"بھئی اسے کل لے کر تو گیا تھا؟" آج کبھی

نہیں لے جاسکتا میں اس کے باپ کا نوکر نہیں ہوں۔

روز روز میری کرانا پھروں مجھے بھی کچھ جوڑنا ہے بڑا

رو پیایسے ہی لگ جاتا ہے۔ برطور دار کے فرمائشی پروگرام

ہی ختم نہیں ہوتے۔ ماموں یہ دلا دیں ماموں اس مجھ سے

پر بیٹھتا ہے ماموں یہ کہتا ہے وہ کھانا ہے۔ بچہ ہے

نکدہ۔۔۔ بے انگہم۔ ویسے سیدہ! وہ اس کی جانب گھول۔

دوسرا گت ٹکڑوں سے اپنے بھائی کو دیکھ رہی تھی۔ کس

لچے کس انداز میں وہ فیضی کے متعلق بات کر رہا تھا۔ اسے

اپنے لفظوں کی بے رحمی کا احساس تھا اور سننے لگے بک۔

"سچ مان لو کہ تم ابھی ماں نہیں ہو۔ اس کی ابھی

تریت نہیں کر رہی ہو۔ اس کو باپ کی ضرورت ہے۔

اپنے لیے نہیں تو اس کے لیے سوچو۔" وہ سنجیدگی سے اسے

گھٹا رہا تھا۔ اور اس کا وجود نوٹ کر دقت کے ساحل پہ

نکھر رہا تھا۔ کس درجہ کم تر انداز میں سوئی ہوئی رہا تھا۔

"آئندہ میں لے کر نہیں جاؤں گا۔ فیضی کو کہیں ہمارے

مہربانی سیف کی خدمات لینا۔" سوسی نے دوبارہ کمپیوٹر کی

جانب رخ کر لیا۔

اس کی آنکھیں بھیگ گئیں۔ ابھی بھی بے یقینی میں

جھکا تھی۔ فیضی دیکھا ہو سکتا ہے۔ وہ تو بہت معصوم شریف ما

بچہ ہے۔ اپنی کتابوں اپنے کمپیوٹر سے کھیلنے والا۔ اسے تو

مانگنا آتا ہی نہیں۔ چہ جائیکہ فرمائشی پروگرام۔ وہ بے یقینی

میں جتنا شدید سوسی کو دیکھ رہی تھی۔ جس کے انداز

میں اس کے لیے بےزاری تھی۔

"ہمنا خرچ کیا ہے مجھ سے لے لینا۔" جو با

کرنے آئی تھی بھول گئی۔

"ہاں دے دینا۔۔۔ اہل کر کے۔ آخر کو مجھے بچ

ٹھادی کرنا ہے اور سنو۔" کہتے کہتے اس کی جانب گھول

گیا۔

ٹھادی کرنا ہے اور سنو۔" کہتے کہتے اس کی جانب گھول

گیا۔

"بھڑکی جانب حجب بولنا خدا رکھیں۔"
 "فیضی! پہلے چھو چھڑو میری باتیں کریں گے۔"
 "بھڑک! پیدارسانہ بنا۔"
 "ہوں بولو۔" اخبار سائیڈ پر رکھا۔
 "وہ جو ہم اس دن باتیں کر رہے تھے نا۔" ہاسکانہ انداز تھا۔

"کون سی؟" تھائل عارکانہ انداز میں اسے دیکھا۔
 دل میں سٹکل سا ہوا۔
 "وہی جو میں آپ سے کہہ رہا تھا رات کو اور آپ۔۔۔ رو گئی تھیں۔" بات یاد دلائی۔
 "فیضی! بال سینیٹے ہاتھ رک گئے۔" فضول باتیں مت کرو پھر زہونے والے ہیں۔
 "بس ایک بات ملا۔"
 اس نے لب بھجج کر اسے دیکھا۔ جانے کون سی بات کرنے جا رہا تھا۔

"وہ تھا آپ کہہ دی تھیں نا کہ کسی کا نام تبدیل نہیں ملے۔ تو میں نے معلوم کیا ہے مل جاتا ہے ملا سولیڈر۔"
 "فیضی! بے بسی سے اسے دیکھا۔ "کون تھیں اتنی اہم معلومات فراہم کر رہے ہیں۔"
 "آپ بس آپ سنا سنی ہو جائیں تو ہم۔"
 "پہلے نا" فیضی کا نام گھوم گیا۔ اس کی برداشت کی حد ختم ہو گئی تھی۔ وہ اندھ کر سوئی کے کمرے میں پہنچی۔ اس کی قسمت ابھی تھی وہ ابھی تک گھر نہیں آیا تھا۔ اسی کے کمرے میں پہنچی۔

"پلیز ای! موسیٰ کو کھالیں۔" دماغ خراب کر رہا ہے معصوم بچے کا۔ میری زندگی ہے جیسے مرضی گزاروں اسے کیا حق پہنچا ہے مداخلت کرنے کا۔" وہ غماز پڑھ رہی تھیں سلام پھیر کر اس کی جانب متوجہ ہوئیں۔
 "کیا کیا ہے اس نے؟"

"اس سے پوچھئے گا اس کی وجہ سے میں نے فیضان کو ملا ہے۔ اتنی تکلیف ہے اسے تو گھر چھوڑ دیتی ہوں ہاتھل بچے کر رہے ہے۔ چند سالوں میں گزر کر لوں

گی۔ نہیں تو ابھی فیضان کے دلوا حیات ہیں! میں بوجھ رہی ہوں! فیضان کہتا ہے ان کا اس کی خاطر مجھے بھی قبول کر لیں گے۔" فصد سے لال بھسوکا چہرہ ہو رہا تھا۔
 "بیٹا! تم ہم پر یہ جھوٹیں ہو۔ آج پہلے جلدی یاد دہو فیصلہ ہونا ہے۔ مگر چار دہشتے موجود ہیں۔ ہمیں فیصلہ کرنا ہے ایک تو تمہارے ہاتھل سے آیا ہے۔"
 "اکی! وہ بارے ہوئے انسان کی طرح تو ملتی چلی گئی۔"

"آپ سب لوگ کیوں جا رہے ہیں کس۔"
 "اس لیے بیٹا۔ ہم تمہیں سہاگن دیکھنا چاہتے ہیں۔"
 "مٹی تو تھی۔۔۔ اب نہیں ای! اب بس۔" اس کا دل بھرا ہوا تھا فیضی کو بچہ بنا تھا۔ آئینہ نگل پڑے۔
 "جو ہوگا تہہدی مرضی سے ہوگا۔" محبت سے اس بھونکا۔

"کف میرے خدا۔" ہر باتوں میں تھا ملایا۔
 "بے وقوف مت ہو کل سے سوچو۔ جانے کالوں اختیار نہیں خوشیوں پر تو ہے۔"
 "ای! کوئی فیضان کو وہ محبت نہیں دے سکتا جو اس کا باپ دے سکتا تھا۔ اس کی شخصیت وہ حصول میں بٹ جائے گی۔ مجھ وہ مردم بچہ میری نگاہیں رہے گا۔"
 "کیسا کچھ نہیں ہوگا۔ فیضان بہت لڑین ہے اور اگر ایسا ہوا بھی تو اس کے دادا چچا ماسوں مانا سب ہیں نا۔ سب مل کر ایک بچہ نہیں سنبھال سکے تو لعنت ہے خدا محبت پر۔"

"یہ ممکن نہیں ہے ای۔" انکار میں سر ہلادیا۔
 "آپ موسیٰ کو سنبھالیں انٹ خشت نہ بنا کرے۔" وہ کھڑی ہوئی۔
 "خدا نے میرے لیے جتنی خوشیاں رقم کی تھیں۔ مجھے مل گئیں۔ بس سب کچھ اور کی تمنا نہیں۔"
 اس کے بعد وہ گئی تھیں۔



"سیف تم کہیں ہوتے ہو۔ میری گازی ٹھیک نہیں کر دیتے۔ کیا کام ہو جاتی کرکٹ کھیلنے کا۔"

"ساری ہو سکتا ہے مستقبل کی اہم پرستش بن جاؤں۔"

"کارتھ جانا ہے۔"

"بھلا۔ خوش حال گرجت ستا ہے دیکھا۔ پھر تم ہمیں گھاس ہی نہیں ڈالو گے۔" مسکرا کر چھیڑا۔

"گھاس۔" آنکھیں پھیلا گئیں۔ "مخلی کی ہے کالی سمجھو اور جلدی جلدی کا کافر اور باؤسٹر پھوٹورنجہ سفر بندھو۔ یوں۔" سیف نے تکی پر بٹائی۔

"اس کی اسٹیج کر لی۔"

"سیف۔" بچہ دار بکا رہا۔

"اور آپ کو مطمئن ہے۔" سیف نے آج کل کیوں جلا ہوتا ہے۔

"نہیں۔" بچہ دار تکی میں سر پھیلایا۔

"اس لیے کہ مصروفی کی دھڑکنے لگا کر رہا ہے۔"

"کیا؟" اس کے لیے کشف قلم ہے خبری نہیں۔

"مطمئن ہے کیوں؟"

"نہیں۔"

"آپ کی وجہ سے۔"

"میری وجہ سے۔" میری نے تکی کا جانب اشارہ کیا۔

"کیوں؟"

"موصوف کار شاہ ہے کہ یہ جو طاقی یافتہ اور بیوہ یا نوکر چھوڑ کر جلا کر پھینک دینے کا بیڑہ چاتی ہیں یہ وہی زندگی کی خوشیوں کو کھانا جاتی ہیں۔ نظروں میں نہ رکھتی ہیں ہم کو خوش نہیں ہو سکتے ہیں۔ یہ سب کچھ ٹھیک نہیں زندگی کو اچھرا ہٹا دیتی ہیں۔"

"سیف نے دوزخ کا گلاب کا پیکٹ سیلچر پر ڈالی اور پھر جلدی سے سیب کاٹ کر کھانے لگا۔

"موتی کیا کہتا ہے؟"

"موتی۔ اس لیے تو وہ آپ کے نکاح پر ہنسنے۔"

"ایک بار ملاقات لائی۔"

"اور اگر میں یہاں سے چلی جاؤں تو؟" وہ دھکے

افقہ سمندر میں غرق ہو رہی تھی۔ تو اس لیے ساری چٹانک ہو رہی تھی۔

"چھوڑ دو میری نہیں ہو سکتی۔"

"دو کیا؟"

"اس لیے کہ چلے جانے والوں کا آنے کا خدشہ رہتا ہے۔" دو موصوف کی گفتگو میں نہیں ہو رہی۔

"پھر کیا کریں؟" سر جاکھ کوئی میں چٹانک لگاؤں کیا جاؤں۔

"نہیں کیا ہی نہیں کر سکتے۔"

"کیا؟" چٹکی۔

"شادی کر لو۔"

"وہ شہر دور تھی۔"

سیف ساری اطلاعات تکیم پہنچا کر سیب سے انصاف کر رہا تھا۔

"سیف۔" اس کی ساری ہمتیں جب اب اسے گھسی۔

"شادی سے کھنگول کاٹل ہے اس کا خدشہ رہا تھا۔

"ہاں۔"

"اور اگر میں نہ کر لوں تو؟"

"تو موتی کو تھام جائے گا۔"

"وہ میرے ساتھ کر رہا رہا تھی۔"

اس کے دھڑکنے میں وہاں اور دوسرے ایک سارے اتر رہے تھے۔ یہاں میں آگاہیے پھل پھل رہی تھی۔ آج آگاہیے جھونے اس سے سڑک بڑا ہوتا ہے۔

سب کے سب کا قلم ہم ہوتے جا رہے تھے۔ کسی کے پاس اس لیے ہم نہیں تھا۔ پہلے جو سب اس کے کام نہ کر سکتے اس کے نظر میں نہ رہا۔

کھینچی کو ہار لے جانا سب نے چھوڑ دیا تھا۔ اس کے پاس کام نہیں تھا۔ اس کی اس کی ضروریات بہت زیادہ ہوئی تھیں۔ فیضان کا زبردستی وہی کے ساتھ کر رہا تھا۔

موتی کا رادیو کا قلم کام ہوتا جا رہا تھا۔ وہ سارے روز بکھرتا تھا۔

اب۔ یہ سیف نے کہا کیا نہ لیا۔

میری چہرے سے موتی شادی نہیں کرے گا۔ کیوں؟

اسے حیرت تھی۔ مجھ سے کیا تکلیف ہے سارے کیا کہتی ہوں۔

ہارے ہوئے انسان کی طرح سر جھول رہی تھی چلی گئی۔ آنکھیں غیر محسوس انداز میں چٹکی چلی گئیں۔ نما سارا فیضان شوہر کے نظیر پہلا زندگی زندگی کا خوش کچھ لیا تھا مگر سب کے پر اکادہ دو بے خیالی حسین رکھا فیضان کو پھر جو بہت دیر اس زندگی کی جانب دابھ لے آیا تھا۔

وہ ایک ڈاکٹر تھی جسے کی گھر نہیں تھی۔ اس وقت جن حالات سے گزر رہی تھی اس نے اسے گھر کا رکھ دیا تھا۔ بھائی اس کی بہن ہے یہاں چٹانک کی سب اس سے مل رہا تھا۔ وہ ہونگے گئے ہیں۔

کیوں؟... خدشہ کی ستون سے سر نکال رہا۔ وہاں باتوں کا جانا اس کے سامنے تھا۔ پھر سب کی گھاسی خاشاکی اس کی اتنی محسوس ہو رہی تھی۔ یہاں محسوس تھا کہ خاشاکی وہ دوسرے سے اتنی کہ جس میں سرایت کر رہی ہو۔

صرف ایک لفظ نکاح۔

صرف ایک جملہ۔ شادی کر لو۔

کیوں؟... کیوں؟

وہ چٹانک ہی چٹکی۔... اسی نے کہا وہاں اس کے لیے رشتہ آیا ہوا ہے۔

"تم کیا کم سے باقی ہو کر نکاح کر رہی ہو زندگی کی دشواریں تمہارا میں تھی سے سوک روگ میں نہن جا رہے۔ دیکھ کے ساتھ ساتھ خوشی بھی زندگی کا حصہ بنا کر رہی ہیں اور نہ سونے والے پر نصیب بنا کر رہے ہیں۔ خود جو کہ اسے سڑے ہو کر نہیں کیا جا رہا اس عرصہ میں کوئی دوسرا رشتہ نہیں آیا تو۔" وہاں کو کہہ دیت تھی کہ میں یہ سب کی دل گرفتگیوں کو دیکھ سکتی۔

نہاں نے اسے کھل دواں دیکھا تھا سارا دل لوت

میری کیا تھا۔ شام کو اسے اسپتال کے لان میں لے آئی تھی اور اس کا ہاتھ تھا جسے وہاں سے لے کر گھر آئی۔

"شمارا میں فیضان کو مکمل ستاراز شخصیت کا حامل انسان بنانا چاہتی ہوں۔ روز بھر جب جو اسے دیکھتے تو مجھ سے یہ کہنے کو سہیہ مجھے تو بہت احمق اور بے حیا تھا مگر تم؟ اس کا انداز میں نہ تھے۔

"سیدہ! ام کی زندگی اس لئے شروع کر رہا اور فیضان کا مسئلہ تمام یہاں سے لوگوں پر چھوڑ دو۔" فیضان کو بہت محبت اور پیار سے پائیں گے ان کے بڑا بچا ہے کی خوشی ہو گا تم خود دیکھنا۔

"اس تمام عرصہ میں اس کے لیے ان کی اولادوں کے بچے کائی ہیں۔ وہ کہاں پہنچی اولاد کے لیے خواہ ہوں گے۔" شاکر کا لہجہ تھا۔

"چلو اگر کسی کا یقین نہیں تو فیضان مجھے دے دینا۔" گاہے بگاہے شے آتی رہتا۔ چھوٹی کی طرح پائوں کی اسے بچاں کے ساتھ۔

"شمارا! اس کی آنکھیں بھرا آئیں۔" میرے بچے کا بچپن مل جائے گا۔ میرا ہے۔ بچہ اتالی کے چنگل میں کیسے چھوڑ دوں۔ وہ بہت ذہین اور حساس ہے اور حساس لوگ بہت ڈانک ہو جاتے ہیں۔ میں اسے زمانے کے سرور گھر کے معاملے کیسے کر رہا۔ وہ میرے سے پہلوں پر آنکھوں کو سمیٹ لیا۔

"سوچنا اور غور کرنا۔ اب چلوں میں نہ عمارت ملان دے رہے ہیں۔ لیٹے آگے ہیں۔" اس نے دور پار تک اپری اس کے سامنے دھانک دلائی سے کل بگائے کھڑے نہات کو دیکھا ہاتھ پایا۔ حادثہ اس کا شوہر مکمل زندگی تھا۔

نہاں نے خدا حافظ کر کے چلی گئی۔

"مجھے تو کسی رشتے کی سامنے کسی کی ضرورت ہی محسوس نہیں ہوئی۔ جہاں کے ساتھ آئی پھر بڑی زندگی کر رہی ہے۔ اس کی طلب کی گئی تھی نہیں سے تو میں کیسے کی کر رہی تھی۔ سرفراہوں نے بڑی سے عقل میں محبت دتی ہے۔" وہ غصے سے۔

ایسے غصے سے محبت جہاں ہوتے ہیں تو بچان لیٹے ہیں۔

میں دو حصوں میں بٹ جاؤں گی۔ فیضان ہوتا تو کچھ دے گا۔

”آج کل مصروفیت زیادہ ہے پھر فیضان کے ہیچ نہ دے سکتے۔“

ساتنے لوگ آ جا رہے تھے کچھ مریض، کچھ تیاروار لوگ۔ ان آتے جاتے لوگوں کو کچھ دینی گاہرو سچوں کا ایک جہل تھا جو اسے آنسو پھیں کی مانند جکڑے ہوئے تھا۔

”آج کل تو وہ زندگی کے مشکل ترین دور سے گزر رہی تھی۔“

کئی برس ہی غم ہوئے چلے گئے۔ اسی وقت اپنے نام پر چمک کر تھیں۔ ”سیدہ۔ میں ہلا کر پڑی ہو۔“ وہ رضا تھا جو کہ بھائی فیضان کا چاچہ۔ ”کھر مشب خیریت ہے بنا ابھی سب تک جیسا۔“

”کیوں نہیں ہی غم ہوئے چلے گئے۔ اسی وقت اپنے نام پر چمک کر تھیں۔“

”ہاں۔ کیسے آ جاؤ؟“ اس نے بیک شلڈر پر لٹکایا۔ اس غصے کی اور بھی آگھوں سے ہمیشہ ہی ڈرنا کرتا تھا۔ جو کہ بعد اس شخص نے پہلے بار اس کی جانب ہاتھ بڑھا کر سلام دعا کی گئی کہنے کی خواہش کا اظہار کیا تھا۔ ”مصروف ہو۔“ گاڑی کی چابی اور سواپل دیکھتے ہوئے کہا۔

”میں کھر رہی تھی۔“

”چلو میں ڈراپ کرو دیتا ہوں۔ لیک ضروری بات بھی کرنا ہے۔“

”میں صحت مند ہوں۔“

”فیضان۔“

”میں صحت مند ہوں۔“

”میں صحت مند ہوں۔“

”میں صحت مند ہوں۔“

”کچھ جلد چل نہیں گئی۔“

”میں صحت مند ہوں۔“

”میں صحت مند ہوں۔“

”میں صحت مند ہوں۔“

”میں صحت مند ہوں۔“

”میں صحت مند ہوں۔“

”میں صحت مند ہوں۔“



”دو دن آ جا رہے ہیں۔“

”میں صحت مند ہوں۔“

”میں صحت مند ہوں۔“

”میں صحت مند ہوں۔“



سید نے محبت و دیار سے نہ رکھا اور پھر نکل گئی
 "طعام ہمارے ساتھ"
 "ہاں" دھیر سے سے جیسے ایک لنگائی۔
 مجھ کو چٹوں نے ایک اطمینان سا اس کے
 ملا دیا تھا۔ اور جب اسے سارے لوگ ہوں تو کہ

